فیضؔ کی غزل کے چند پہلو

Teaching Lecture
B.A. (Urdu Hons.) I
by
Dr. Fatahullah Quadri
Assist. Prof. Deptt of Urdu
A. N. D. College Shahpur Patori
(Samastipur)

آزادی کے بعد برصغیر ہندو پاک میں غزل کو جو حیات نو ملی ہے اور اس کی مقبولیت میں جو اضافہ ہوا ہے، اس میں فیضؔ کی غزل کا بھی ایک نمایاں حصہ رہا ہے، آزادی کے قبل ۱۹۴۱ء میں جب فیضؔ کا پہلا مجموعہ ''نقش فریادی'' شائع ہوا تھا تو اس میں شامل غزلوں نے نہیں، بلکہ نظموں نے فیضؔ کو ترقی پسند شعرا کی صنف میں ایک ممتاز حیثیت اور ہر دل عزیزی بخشی تھی، اس مجموعہ کی نظمیں ''تنہائی''، ''چند روز اور میری جان'' اور ''رقیب'' سے وغیرہ، ہر شخص کی زبان پر تھیں اور انہی سے جدید اردو شاعری میں فیض کی شناخت قائم ہوئی، ان میں لہجہ کی نرمی اور تخیل کی نادرہ کاری کے ساتھ ساتھ محزونی اور شکستہ دلی کی جو جاں گداز فضا تھی، وہ اردو شاعری میں اجنبی بھی تھی اور اچھوتی بھی، لیکن اس شعری مجموعہ میں جو بارہ غزلیں شامل ہیں، اس میں اسلوب اور لہجہ کے اعتبار سے کوئی منفرد رنگ نہیں ابھرتا، بیشتر اشعار میں روایتی کلاسیکی انداز غالب ہے، جیسے

ادائے حسن کی معصومیت کو کم کردے
گناہ گار نظر کو حجاب آتا ہے

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے
اک فرصت نگاہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

''نقش فریادی'' کی اشاعت کے بارہ سال کے بعد ۱۹۵۳ء میں جب فیضؔ کا دوسرا مجموعہ ''دست صبا'' شائع ہوا تو اس کے ساتھ ہی ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے فیضؔ کی پہچان بنی، بے شک اس مجموعہ کی نظمیں بھی فیضؔ کے ارتقا پذیر ذہن اور تخلیقی رویوں کی آئینہ دار ہیں، لیکن یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ ''دست صبا'' کی نظموں کے مقابلہ میں ان غزلوں کی زیادہ پذیرائی ہوئی اور پھر ''زنداں نامہ'' اور دوسرے شعری مجموعوں کی اشاعت نے ثابت کر دیا کہ ترقی پسند شاعروں میں فیضؔ تنہا فنکار ہیں جو نظم اور غزل دونوں میدانوں میں اعلیٰ تخلیقی اظہار کی یکساں قدرت رکھتے ہیں اور ان کے اسلوب فن کے اثرات جدید شاعری کی دونوں اصناف میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

فیض کی غزلیں فنی وفکری اعتبار سے اتنی تہہ دار ہیں اور ان میں ایسے متضاد عناصر باہم مربوط ہیں کہ تنقید کی مروجہ اصطلاحوں کے ذریعہ ان کی شناخت کا کام دشوار ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر اکثر کہا گیا ہے کہ فیض کی غزل میں کلاسیکی رنگ و آہنگ کا غلبہ ہے، فیض خود بھی سودا، غالب اور حسرت موہانی جیسے کلاسیکی رنگ کے شعرا سے فیض اٹھانے کا اعتراف کیا ہے اور یہ سچ بھی ہے، مثلاً حسرت موہانی کی عشقیہ شاعری میں جذبہ کا والہانہ پن اظہار کی جو شگفتگی اور تمثیلی رنگینی ہے، اس نے فیض کے رومانی مزاج کو خاص طور پر اپیل کیا، حسرت موہانی اپنے محبوب کے حوالے سے کہتے ہیں۔

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتش گل سے چمن تمام
اللہ رے جسم یار کی خوبی کہ خود بہ خود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

فیض کی غزلوں میں بھی جہاں جمال یار کا ذکر آتا ہے، ایسے ہی وجد آفریں شعری پیکر ابھرتے ہیں۔

ان کا آنچل ہے کہ رخسار کا پیراہن ہے
کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے چلمن رنگین
رنگ پیراہن کی خوشبو، زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

یہاں جذبہ کی ترنگ سے زیادہ تخیل کی دلفریبی اور پیکر تراشی ہے، مصرعوں کی روانی نے ایک اچھوتی موسیقی پیدا کردی ہے لیکن یہ تو فیض کی غزل کا ایک تخیل ہے، جب وہ مرغان گرفتار اور سیاسی جبر و بیداد کا ذکر کرتے ہیں تو حسرت کے بجائے وہ سودا، غالب اور اقبال کے لہجہ کی استقامت سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے لیے فیض نت نئی تراکیب اور اظہار کے نئے پیرائے وضع کرتے ہیں جو غالب کا شیوہ رہا ہے، تاہم لہجہ اور تخلیقی اظہار کی ان مانوس لہروں میں جو اردو غزل کی روایت کا اہم جز ہیں، وہ اپنی آواز اور اپنی پہچان کو گم نہیں کرتے، بلکہ ان کے برعکس وہ اپنے اس عمل میں اس کی انفرادیت کو مستحکم بناتے ہیں، وہ اپنی غزل میں ایسی موہنی فضا تخلیق کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں جو قاری یا سامع کے بیشتر حواس کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غزل میں انہوں نے احساس تخیل کے لطیف کیمیاوی عمل سے ایک ایسی جمال آفریں فضا تخلیق کی ہے جو شاعری کو مسحور کن بنا دیتی ہے۔

فیض کے بنیادی لہجہ کی تشکیل دراصل ''دست صبا'' اور ''زنداں نامہ'' کی غزلوں میں ہوئی ہے، ان مجموعوں میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء کے اوائل تک کا کلام شامل ہے، جب وہ راولپنڈی سازش کیس کے سلسلہ میں پاکستان کی مختلف جیلوں میں قید رہے، ان پر مقدمہ چلا اور حکومت نے ان کے اور دوسرے ملازموں کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا، اس عہد میں قید تنہائی، ابتدائی اذیتوں اور سر پر منڈلاتی ہوئی اجل کے اندیشوں نے فیض کے دل و دماغ پر جو اثرات مرتب کئے، وہ مرکب تھے، ایک طرف تنہائی کی وحشت اور دوسری طرف اہل وطن کی صعوبتوں اور ان کے مقدر سے یگانگت سے اور یہ دونوں کیفیتیں ان پر

جس شدت سے وارد ہوئیں وہ شاید فیضؔ کے لیے بھی نئی اور اجنبی تھی، ان سے ان کے تخلیقی وجدان میں غیر معمولی ہلچل پیدا ہوگئی۔ فیضؔ خود کہا ہے کہ قید و بند کے اس ایام میں ان کی طبیعت میں غضب کی جولانی اور آمد تھی، اپنے وطن میں رہ کر جلاوطنی اور کرب تنہائی کا یہ تجربہ بڑا دورس اور معنی خیز تھا، ایسا لگتا ہے کہ یہ تجربہ ان کے داخلی وجود میں جذب ہو کر ہمیشہ کے لیے ان کی حیثیت کا ایک حصہ بن گیا، اس نے ان کے بعد شاعری اور شعری لب ولہجہ کو بھی متاثر کیا، اس عہد کی غزل میں دیار وطن سے شیفتگی اور محبت کے جذبات بڑی کثرت سے نظم ہوئے ہیں، گویا شاعر نے نگار وطن کے دلآویز خد و خال کو نئے سرے سے دیکھا اور دریافت کیا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہوا ہے کہ بنیادی حقوق، امن اور آزادی کے لیے ساری دنیا میں انسانوں کی جدوجہد جاری تھی اس سے ان کا رابطہ مضبوط ہوتا گیا ہے، فیضؔ اپنی اسیری کے اس تجربہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''عاشقی کی طرح جیل خانہ بھی ایک بنیادی تجربہ ہے۔
جس میں فکر ونظر کا ایک آدھ دریچہ خود بخود کھل جاتا ہے۔
باہری دنیا کا وقت اور فاصلے دونوں باطل ہو جاتے ہیں۔''

فیضؔ کی شاعری گواہ ہے کہ وہ نہ صرف اہل وطن پر ہونے والے مظالم کی تصویر اپنے آئینہ میں دیکھ رہے تھے، بلکہ ان کی دردمندی ساری دنیا کے دکھی انسانوں اور ان کی جدوجہد سے یگانگت محسوس کر رہی تھی، خاص کر وہ تیسری دنیا کی سامراجی ریشہ دوانیوں سے بیزار اور برہم تھے، ان حقائق کی عکاسی نہ صرف ان کی نظموں میں بلکہ غزلوں میں بھی ملتی ہے، تاہم غزل میں انہوں نے ایمائی اظہار کے وہی طریقہ اختیار کیا جو عصری حقائق کے ادراک کی تخلیق و تعمیر کے کلاسیکی تصور کی نشاندہی کرتا ہے، وہ معروضی حقائق کو اپنی ذات کے حوالے سے واردات بنا کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ عصر حاضر کی بعض دھندلی سچائیاں بھی روشن نظر آنے لگتی ہیں، عموماً یہ ہوتا ہے کہ وطن دوستی اور قومی حالات کے فیضان سے طلوع ہونے والی شاعری قوم پرستانہ شاعری کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، مگر فیضؔ کے یہاں یہی شاعری ان کی شخصیت کے ہمہ رنگ تناظر کی وجہ سے آفاقی جہتوں سے ہم کنار ہو جاتی ہے جو بڑی شاعری کی امتیازی شناخت ہے۔

اجتماعی تجربات کا رجستہ بیان، ترسیلی اور طرز بیان کی شیرینی یہی اوصاف ہیں جن کی بنیاد پر ہندو پاک کے ممتاز گلوکاروں نے فیضؔ کی غزلیں بڑے شوق سے گائیں، جس سے فیضؔ کی عوامی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ بے شک فیضؔ اردو غزل کی تاریخ میں ایک بڑے اور باکمال فنکار کی حیثیت سے ہمیشہ ہی یاد رکھے جائیں گے۔